سیدی علی رئیس کے سفر نامے مراۃ الممالک میں ہندوستان

رجب دورقون

Abstract:

The grandfather of Sidi Ali Rais (1498-1562 AD) settled in Galata district of Istanbul during the reign of Sultan Muhammad Fateh II۔ As a commander, for the first time in his life, he joined the attack on the fortress of Rhodes by Sultan Suleiman the Magnificent, the strongest king of the Ottoman Empire۔ Later, Khair al-Din participated in various wars in the Mediterranean with famous Ottoman sea captains like Barbaros, Sinan Pasha and Turgud Rais۔ In place of Murad Rais, who lost the war to the Portuguese, Sultan Quni Sulaiman Khan appointed Sidi Ali Rais as the captain of India and ordered to bring the royal fleet from Basra to the port of Suez in Egypt۔ On July 2, 1554, the army of Sidi Ali Rais, who moved from Basra to Suez with the royal fleet, encountered the Portuguese in the Strait of Hormuz between the Gulf of Oman and the Persian Gulf on August 9۔ On August 25, the Portuguese attacked again near Muscat, destroying five Ottoman warships۔ When this convoy was near Amman, the storm known as Cyclone Noah occurred, in which the fleet went out of control and reached the coast of India۔ When it was found impossible to take these boats to the port of Suez due to the Portuguese attacks and the devastating storm, Sidi Ali Rais sold these boats there and decided to go to Istanbul by land himself۔ In 1555-1556, Sidi Ali Rais, who lived in India for two consecutive years, met many Indian kings including Humayun, Akbar, Sher Khan۔ The kings of Baluchistan, Sindh, Gujarat and other places in India respected him greatly because he was the Ottoman Amir-ul-Bahr, and after spending about four

years on a journey, he wrote the entire history in 1557 and presented it to the legal Sultan Suleiman in Istanbul- - In this paper, we will comment on Sidi Ali Rais' views on the various cities, kings, people and nobles of India and the information and scholarly comments about the conditions he saw with his eyes, comparing them with other Indian and Ottoman sources of this period-

Keywords: Sidi Ali Rais, Miratul Memalek, India, Life story, Turkish Journey

سیدی علی رئیس کا مختصر تعارف:

سیدی علی رئیس (1498-1562ء) کے دادا سلطان محمد فاتح ثانی کے زمانہ میں استنبول کے ضلع غلاطہ میں آکر مقیم ہوئے۔ یہیں پر آپ کی پیدائش چودہ سو اٹھانوے (1498ء) میں ہوئی [1]۔ آپ کے والد کا نام حسین تھا جو کہ خود بھی سیدی علی رئیس کی طرح عثمانی بحریہ فوج میں ملازم تھے۔ غلاطہ میں پیدائش اور رہنے کی وجہ سے انہیں "غلاطہ لی" کا لقب دیا گیا۔ جبکہ خود سیدی علی رئیس اپنے اشعار میں اپنا تخلص "کاتبی" اور "کاتبِ رومی" استعمال کرتے ہیں۔ سیدی علی رئیس نے فوج میں پہلی مرتبہ بطور عزا پلر منشی [2] کے کام شروع کیا تھا بعد میں اسی پیشہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علی رئیس نے اشعار میں اپنے لیے کاتبیؔ کا تخلص استعمال کیا۔ [3] ان کی تعلیمی زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں البتہ ان کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ماہر بحری علوم کے ساتھ ساتھ ریاضی، فلکیات، جغرافیا اور ادب میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے [4]۔ سیدی علی رئیس کی تالیف کردہ کتب کے ساتھ ساتھ ان کی طرف سے ترجمہ کردہ کتب بھی دستیابِ عام ہیں۔ [5] ابتدائی عمر سے ہی سمندری علوم اور فوج میں شامل ہوگئے اور بطور کماندار زندگی میں پہلی مرتبہ عثمانی سلطنت کے مضبوط ترین بادشاہ سلطان سلیمان قانونی کی جانب سے قلعہ رودس پر حملہ میں شامل ہوئے 1522ء۔ بعد ازاں خیر الدین بار باروس، سنان پاشا اور طورغود رئیس جیسے مشہور عثمانی سمندری سرداروں کے ساتھ بحیرہ روم کی مختلف جنگوں میں شریک ہوتے رہے۔ پرتگیزوں سے جنگ

ہارنے والے مراد رئیس کی جگہ سلطان قانونی سلیمان خان نے سیدی علی رئیس کو بطور کپتانِ ہند مقرر کیا اور بصرہ سے شاہی بیڑا مصر کی بندرگاہ سوئیز لانے کا حکم دیا۔ 2 جولائی 1554ء شاہی بیڑے کو لے کر بصرہ سے سوئیز کی جانب بڑھنے والے سیدی علی رئیس کے لشکر کا خلیج اومان اور خلیج فارس کے درمیان واقع آبنائے ہرمز میں 9 اگست کو پرتگیزوں سے آمنا سامنا ہوا۔ 25 اگست کو ایک مرتبہ پھر سے پرتگیزوں نے مسقط کے قریب حملہ کیا جس میں پانچ عثمانی جنگی کشتیاں تباہ ہوگئیں۔ عمان کے قریب ہی جب یہ قافلہ تھا تو طوفان نوح کے نام سے مشہور سمندری طوفان آیا جس میں بیڑہ بے قابو ہو کر ہندوستان کے ساحل پر پہنچ گیا۔ پرتگیزی حملوں اور تباہ کن طوفان کی وجہ سے ان کشتیوں کو سوئیز بندرگاہ لے جانا ناممکن معلوم ہونے پر سیدی علی رئیس نے ان کشتیوں کو وہیں پر بیچ دیا اور خود خشکی کے راستے استنبول جانے کا فیصلہ کیا۔ لگ بھگ چار سال سیاحت میں گزارنے کے بعد پندرہ سو ستاون میں واپس استنبول آنے پر وزیر اعظم رستم پاشا اور قانونی سلطان سلیمان کی جانب سے مختلف احسانات سے نوازا گیا اور واپسی پر انہیں مختلف ذمہ داریاں دی گئیں۔ البتہ پندرہ سو ساٹھ میں مکمل طور پر ریٹائرمنٹ لے لی اور اپنی وفات اٹھائیس دسمبر 1562ء تک مختلف کتب تحریر کرنے میں مصروف رہے۔ حسین اور محمد نام کے دو بیٹے تھے جن میں سے حسین کو 1560ء میں فوج میں سلحہ دار کا عہدہ دیا گیا۔ اگرچہ بعض عثمانی مورخین نے ان پر تھوڑی بہت تنقید بھی کی تھی لیکن عمومی طور پر ان کی تعریف کی گئی ہے۔ عالم، جغرافیہ دان اور ماہر علوم بحر ہونے کے ساتھ ساتھ فن شاعری اور واقعات کی تاریخ نکالنے میں بھی ید طولی رکھتے تھے۔ خلاصۃ الہ، مراۃ الکائنات، المحیط فی علم الافلاک والبحور، مراۃ الممالک اور رسالہ ذات الکرسی جیسی کتب تحریر کیں۔[6]

مراۃ الممالک کا نام اور وجہ تالیف:

اپنی مرضی و خواہش کے بغیر ہندوستان پہنچنے والے عثمانی سمندری کپتان سیدی علی رئیس نے اپنی سرگزشت بنام "مراۃ الممالک" یعنی ملکوں کا آئینہ لگ بھگ پونے پانچ صدیاں قبل تحریر کی تھی۔ اگرچہ جو مصائب و تکالیف دوران سفر سیدی علی رئیس کو پیش آئیں تھیں اگر ان کو سامنے رکھا جائے تو کتاب کا نام "مصائب کا آئینہ" رکھنا چاہیے تھا۔ خود سیدی علی رئیس کے الفاظ میں "وہ تکالیف جو ہم نے اٹھائی تھیں ان کو پیش نظر رکھیں تو کتاب کو "محنت نامہ" کہنا لازم ہے۔ لیکن کیونکہ ہر صوبہ، سیاحت کردہ ہر ملک کے حالات اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں اس لیے اس کتاب کا نام "مراۃ الممالک" رکھنا زیادہ مناسب سمجھا گیا

ہے۔" ہمارے سیاح کا ہندوستان پہنچنا بد قسمتی اور غیر متوقع حالات کی وجہ سے ہوا تھا۔ حتیٰ کہ آج بھی اگر ترکی میں کسی کو غیر متوقع مصائب کا سامنا ہو جائے تو اس کے لیے بطور تمثیل "شینہ سید علی ھالری غلدی"[7] یعنی آپ پر تو وہ مصائب ٹوٹ پڑے جو سیدی علی رئیس پر گزرے تھے۔ عثمانی سلطنت کا یہ جغرافیہ دان، ماہر ادبِ فارسی و ترکی اور امیر البحر ہندوستان کے مغربی ساحلی شہروں سے اس وقت کے ہندوستان میں اسلام کے مرکز مشرقی شہروں کی جانب آئے۔ انہوں نے ہندوستان شمال مغرب سے جنوب مشرق کے راستہ میں آنے والے شہروں میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ بت پرست ہندوں، پارسیوں، بھٹوں سمیت دیگر ادیان کے ماننے والے لوگوں سے ان کے دین، تہذیب و ثقافت اور طرزِ زندگی بارے بھی اہم معلومات اپنے سیاحت نامہ میں درج کی ہیں۔ سیدی علی رئیس نے کتاب کے مقدمہ میں اپنے اس سیاحت نامہ کو تحریر کرنے کی وجہ یوں درج کی ہے کہ "اس کتاب کو لکھنے کا سبب یہ ہے کہ ہمارے آقا سلطان بادشاہِ جہاں (اللہ تعالیٰ انکی مدد میں اضافہ فرمائے) مشرق کی جانب توجہ فرماتے ہوئے حلب (شہر) میں موسم سرما گزارنے کے واسطے قائم کردہ محفوظ جگہ میں اس بندہ عاجز کو مصر کی کپتانی صدقہ فرمائی۔ پہلے سے صوبہ مصر سے بصرہ بندرگاہ کو بھیجے گئے بحری جہاز کی کشتیوں کو واپس لانے کا حکم فرمایا۔ اس حکم عالیشان کے مطابق ہم بصرہ شہر میں پہنچ گئے۔ وہاں موجود پندرہ جنگی کشتیوں کو لیکر ہرمز سمندر کے راستے صوبہ مصر کے لیے عازم سفر ہوئے۔ لیکن "انسان تدبیر اختیار کرتا ہے جبکہ فیصلہ خدا کا ہی ہوتا ہے" مقولہ کیطرح تدبیر، تقدیر کے موافق نہ بن سکی۔ یوں مصر پہنچنا میسر نہ ہو سکا۔ چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے ملک ہندوستان پہنچ گئے۔"[8] ہم اپنے اس مقالہ میں سیدی علی رئیس کے سیاسی پس منظر وغیرہ سے قطعی طور پر صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنے سیاح نے ہندوستان کے متعلق جو کچھ سفر نامہ میں تحریر کیا ہے اس کے متعلق بات کریں گے۔ مراۃ الممالک کسی بھی ترک کی جانب سے نہ صرف ہندوستان بلکہ کسی بھی جگہ کے متعلق تحریر کردہ پہلا سفر نامہ ہے۔ اس اعتبار سے یہ سفر نامہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔[9] بنا بر این علی رئیس کے تحریر کردہ اس سفر نامہ بنام "مراۃ الممالک" کا تحقیقی و تنقیدی اعتبار سے کئی ماہرین اور اہل علم کی جانب سے جائزہ لیا گیا ہے۔ ترکی میں اس کتاب پر ایک پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی لکھا گیا ہے جو 1990ء میں کتاب کی صورت منظر عام پر آیا۔

حلب سے ہندوستان جانے تک کا راستہ:

سن 1553ء میں جب مشہور عثمانی بادشاہ قانونی سلطان سلیمان ، صفویوں کے خلاف جنگی تیاریوں کے سلسلے میں حلب شہر میں موسم سرما گزار رہے تھے انہی دنوں وزیر اعظم داماد رستم پاشا نے سیدی علی رئیس کو کپتان ہند مقرر کیا۔ موصل و بغداد کے راستے سے ہوتے ہوئے پہلے دجلہ جبکہ ماہ فروری 1554ء میں بصرہ پہنچے۔ 1554ء کے ماہ جولائی کے درمیانی دنوں میں پندرہ کشتیوں کو لیکر سمندر میں اترے۔اسی سال میں دومرتبہ پرتگیزوں کے حملہ اور پھر شدید سمندری طوفان نے انہیں بلوچستان کی گوادر بندرگاہ پر پہنچادیا تھا وہاں سے ایک اور شدید طوفان نے عثمانی سمندری قافلہ کو گجرات کے ساحلوں پر لے آیا۔ قلعہ دامن کے ذریعے خشکی پر اترنے والے سیدی علی رئیس و ہمراہی پہلے سورت، پھر احمد آباد اور پھر پٹن سے ہوتے ہوئے سندھ پہنچ گئے۔وہاں سے شمالی ہندوستان کے مشہور شہروں ملتان، لاہور اور پھر لاہور کے بابری گورنر کے اصرار پر سلطنت کے مرکزی شہر دھلی میں بادشاہ ہمایوں سے 1555ء کے اکتوبر کے مہینہ کے آخری دنوں میں ملاقات کی۔ ہمایوں کے شدید اصرار پر تین ماہ تک دھلی میں ہی مقیم رہے۔ 1556ء کے آغاز میں بابر بادشاہ کے بیٹے ہمایوں کی اچانک وفات کے وقت ہندوستان میں ہی موجود تھے اور ہمایوں کی وفات کی خبر کو خفیہ رکھنے اور اکبر کی تخت نشینی وغیرہ کے واقعات کے عینی شاہد ہیں۔ 1556ء کے ماہ فروری میں سیدی علی اپنے چند بچے کچے ساتھیوں کے ساتھ دھلی سے لاہور اور وہاں سے کابل کے راستے دس جون 1556ء کے آخر تک سمرقند آگئے۔ایک لمبے، پر خطر اور تکلیف دوہ راستہ سے گزرنے کے بعد پندرہ سو ستاون کے ماہ مئی کے وسط میں استنبول پہنچ گئے اور دسمبر 1557ء کے آخری دنوں میں ادبی اسلوب اور اشعار سے مزین کتاب "مراۃ الممالک" کے متن کی تکمیل کی۔[10]

سیدی علی رئیس ہندوستان میں:

ہمارے سیاح نومبر 1554ء میں انتہائی خوفناک "طوفانِ فیل" نامی سمندری طوفان سے بچ نکلنے کے بعد سراسیمگی کے عالم میں خود کو گجرات کے ساحلوں پر پاتے ہیں۔یہی سے "مراۃ الممالک" سیاحت نامہ کا متن ہندوستان میں پیش آئے واقعات کو بیان کرنا شروع کرتا ہے۔سیدی علی رئیس کے ہندوستان میں اپنے داخل ہونے کی کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں "ہم لوگ پھر سے سومنات کے سامنے سے گزرے۔ بالآخر ضلع دیو میں پہنچ گئے۔دیو کافر دشمن (یعنی پرتگیزوں) کے ماتحت تھا۔اس لیے وہاں گزرنے سے پرہیز

کیا۔اس دن بادبان نہیں کھولا بلکہ کشتی رانی کے ذریعے راستہ طے کیا۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہوا میں تیزی آرہی تھی۔"[11] اس عثمانی قافلہ کے لیے مصائب ابھی ختم نہیں ہوئے تھے بلکہ اصل مشکل تو سمندر میں ان کی منتظر تھی۔ہر گزرتے وقت کے ساتھ ہوا تیز ہو کر طوفان کی شکل اختیار کر گئی اور پھر بارشوں کا نہ تھمنے والا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ قافلہ میں موجود سبھی لوگوں کو محسوس ہونے لگا کہ شاید آج دنیا کا آخری دن ہے اور قیامت برپا ہونے والی ہے۔ان لوگوں کو یہ تو معلوم تھا کہ وہ ہندوستان میں ہیں لیکن جگہ کونسی ہے اس بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ گرداب اور شگافوں کے درمیان میں بحری بیڑہ پھنس گیا جس پر سب کو موت کا یقین ہو گیا۔سب نے اپنے کپڑے اتار کر ایک دوسرے سے اپنا حق معاف کروایا اور موت کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔سیدی علی رئیس نے آخری نیکی کے طور پر اپنے سارے غلاموں کو آزاد کر دیا اور مکہ کے فقراء کے لیے سو(100) دینار کی نذر مانی۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ ہوا کم ہونے لگی اور یہ پانچ دن ورات مسلسل بارش اور طوفان میں گزارنے کے بعد یہ لوگ صوبہ دامن کی بندرگاہ کے سامنے خشکی پر اترنے میں کامیاب ہو گئے۔

پہلے ہندوستانی بادشاہ سے ملاقات:

سیدی علی رئیس کا کسی بھی ہندوستانی حکومتی عہدیدار سے پہلی ملاقات گجرات کے بادشاہ سلطان احمد کے گورنروں میں سے صوبہ دمن کے گورنر ملک اسد سے قلعہ دمن میں ہوئی۔دمن میں ہی سیدی علی رئیس کے ذریعے عثمانیوں اور کلکتہ کے بادشاہ سامری کے درمیان پہلا سفارتی تعلق قائم ہوا۔پرتگیزی بھی سیدی علی رئیس کی کوج میں یہاں پہنچنے کے خطرہ کی وجہ سے مقامی گورنر کے مشورے پر سیدی علی قدرے محفوظ جگہ قلعہ سورت کی طرف چلے گئے۔سیدی علی رئیس کے بقول عثمانی قافلہ کی آمد پر مقامی لوگوں نے انتہاء درجہ کی خوشی منائی اور اسے پرتگیزیوں کے خلاف مددِ خداوندی قرار دیتے ہوئے عثمانی بادشاہ کے ساتھ اپنی محبت اور اطاعت کا اظہار کیا۔ قلعہ سورت میں سیدی علی رئیس اور ہمراہیوں پر ایک طرف سے پرتگیزی حملہ آور تھے جبکہ دوسری جانب سے ناصر الملک نامی ایک مقامی امیر نے پہلے خفیہ سازش اور پھر زہر دیکر سیدی علی رئیس کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ کچھ تو ہمراہیوں نے سیدی علی رئیس کا ساتھ چھوڑ کر سورت گورنر کی ملازمت میں چلے گئے اور پھر سمندر میں جہازوں کی خراب حالت اور پرتگیزوں کے حملہ کی وجہ سے

سمندری راستہ کی بجائے خشکی کے راستے سے واپس جانے کا فیصلہ کرنے والے سیدی علی رئیس 26 نومبر 1554ء میں قلعہ سورت سے گجرات کی راج دھانی احمد آباد کی طرف گامزنِ سفر ہوئے۔

عجیب وغریب ہندوستان:

ہندوستان اپنے باسیوں کے عجیب وغیریب کلچر، تیز لیکن صحت آور اور خوشبودار مصالحہ جات، وسیع وعریض جغرافیہ اور موسم کی وجہ سے اجنبیوں کے لیے عجائب وغرائب کا معمہ رہا ہے۔ باہر سے آنے والے ہر سیاح کو یہاں پر چند ایسی چیزوں کا مشاہدہ ہوتا ہے جو اسے چکر کر رکھ دیتی ہیں اور ہمیشہ کے لیے اس کے ذہن میں نقش ہو جاتیں ہیں۔ سیدی علی رئیس کو بھی ہندوستان کی جن عجیب وغریب چیزوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا ان میں تاری وطوبیٰ نامی درخت، بھاٹ اور راجپوت ذاتوں کے ہندوں کی تجارت وستی کرنے کا وطیرہ جیسے امور شامل ہیں۔ مراۃ الممالک تحریر کرتے وقت جس حصہ کو بیان کرنے میں سیدی علی رئیس کو مشکل کا سامنا کرنا پڑا ان میں گجرات سے شمال کی جانب جاتے ہوئے راستہ میں تاری نام سے مشہور کھجور کے درخت کے متعلق معلومات دینا تھا۔ ہمارے سیاح کے بیان کے مطابق اس عجیب الخلقت شراب بنانے والے ہر درخت کے نیچے ایک میخانہ ہے اور عوام ہمیشہ وہاں بیٹھے کھیل کود اور خورد و نوش میں مصروف رہتے ہیں۔ سیدی علی رئیس نے اس درخت کے متعلق مکمل بیان ان کی زبان سے یوں کچھ یوں ہے "اس شہر میں کجھور کی نسل تاری کے نام سے مشہور ایک درخت پایا جاتا ہے۔ اس کی ہر شاخ کے ساتھ پانی کا ایک ڈول لٹکا دیا جاتا ہے۔ شاخ کی نوک کو کاٹ کر ڈول کے اندر ڈال دیتے ہیں۔ اس سے خون کے رنگ جیسا پانی بہتا ہے۔ یہ پانی سورج کی حرارات کی وجہ سے تھوڑی مدت میں ہی ایک عجیب طرح کی شراب بن جاتا ہے۔ ہر درخت کے نیچے ایک میخانہ ہے۔ عوام ہمیشہ وہاں کھاتی پیتی ہے۔"[12] مراۃ الممالک میں بیان کردہ مزید تفصیل سے اس درخت کے متعلق یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس درخت سے کشیدہ کردہ شراب انتہائی تیز ہونے کے ساتھ ساتھ تھوڑے ہی مدت میں انسانی ذہن کو مالوف کر دیتی ہے۔ لوگ اس شراپ کو پی کر لڑائی جھگڑا حتیٰ کہ ایک دوسرے کے سرداروں تک کو قتل کر دیتے ہیں۔

26 نومبر 1556 کے دن احمد آباد جاتے ہوئے جام پور کے راستے میں سیدی علی رئیس کو ایک اور عجیب وغریب ہندوستانی درخت کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ طوبیٰ نامی اس درخت کی چوٹیاں جیسے بلندی میں آسمان کو چھو رہی تھیں ویسے ہی اس کی جڑیں بھی انتہائی لمبی تھیں۔ ہر تھوڑی سی جگہ کے بعد اس درخت کی

جڑ سے ایک نیا درخت اگا رہا تھا۔ جیسے یہ درخت اپنے سایے میں کئی لوگوں کو بٹھا کر جلا دینے والے ہندوستانی سورج کی تپش سے محفوظ رکھ سکتے تھے ویسے ہی ہزاروں چمگادڑوں کا بھی مسکن تھے۔ سیدی علی رئیس نے اس درخت کے متعلق اپنا بیان یوں درج کیا ہے "ہر درخت کی چوٹی آسمان تک پہنچ رہی تھی اور ہر ایک طرف سے لیکر دوسری طرف تک ساڑھے تین میٹر لمبای تھی۔ ہر درخت پر بے حساب چمگادڑیں تھیں۔ مذکورہ درختوں کی جڑین لمبائی سے زمین کی طرف اتری ہوئیں ہیں اور اتری ہوئی جگہ سے دوبارہ سے ایک نیا درخت اگ رہا تھا۔ اس انداز میں ایک درخت سے دس، بیس حتیٰ کہ اس سے بھی زیادہ لمبے درخت وجود میں آ چکے تھے۔ اس درخت کا نام اس جگہ پر "طوبیٰ" تھا۔ ان درختوں میں سے ہر ایک درخت کے سائے میں ہزاروں لوگ بیٹھ کر تپش سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔"[13]

جیسے سیدی علی رئیس کو بعض عجیب و غریب درخت دیکھنے کو ملے ایسے ہی ولایت گجرات میں لا تعداد طوطوں اور بندروں کی تعداد اور عجیب و غریب حرکتوں نے انہیں خوب پریشان کیے رکھا۔ حتیٰ کہ احمد آباد جاتے ہوئے یہ قافلہ جہاں بھی قیام کرتا کسی بھی روک ٹوک کی عادت اور ڈر کے بغیر یہ بندر ان کے گرد بچوں سمیت جمع ہو جاتے تھے۔ سید علی رئیس کے الفاظ میں "ہر دن جہاں پر بھی ہم لوگ قیام کرتے ہزاروں بندر ہمارے ارد گرد جمع ہو جاتے تھے۔ اکثر بندروں کے ہاتھوں میں چھوٹے بچے بھی ہوتے تھے۔ ہر ایک عجیب و غریب حرکتیں کر کے جیسے شاہ جہاں کی کہانی میں تھا ویسے ہی ان پر بھی حکم چلانے والا کوئی بھی نہیں ہے ہمیں بتایا گیا تھا۔ کہ شام ہونے پر یہ نئی جگہوں پر چلے جاتے ہیں۔"[14] غیر ہندوستانی ہونے کی وجہ سے سیدی علی رئیس کے علم میں نہیں ہو گا کہ بندروں کو ہندوؤں کے کچھ فرقے مقدس سمجھتے ہیں اور ہندوستان بھر میں بندروں کے دیوتا ہنومان کے لئے وقف مندر موجود تھے۔ دیوتا ہنومان جی کو عام طور پر انسانی جسم، سرخ بندر کے چہرے اور ایک دم کے ساتھ دکھایا جاتا ہے اور اس کے پیروکاروں کا ماننا ہے کہ اس کی پوجا کرنے سے وہ خوف اور خطرے سے آزاد ہو جائیں گے۔ غالب گمان یہی ہے کہ وہاں پر اس عقیدہ کے ہندو رہتے ہوں گے اسی لیے وہاں پر کوئی بھی ان بندروں کو نقصان نہیں پہنچاتا ہو گا۔

ہندوستان کی ایک اور چیز جس کا تجربہ ہمارے سیاح کو ہوا وہ صوبہ سندھ کے بے آب و گیا صحرا اور ان میں بے شمار چیونٹیاں تھیں۔ یہ چیونٹیاں، چڑیا کی جسامت کی تھیں اور صحرا میں چلنے والوں کا گزرنا ناممکن

بنا دیتی تھیں۔ جولائی 1555ء میں صوبہ سندھ کے شہر سلطان پور جاتے ہوئے جنگل میں لٹیروں کے خدشے کی وجہ سے صحرائی راستہ اختیار کرنا پڑا۔ لیکن سندھ کے یہ صحرا گرم لو اور کسی بھی طرح کا پانی میسر نہ تھا۔ "جس صحرا کا ہم نے ذکر کیا ہے اس میں چڑیا جتنی بڑی چیونٹیاں نظر آتیں تھی۔"[15]

اسی طرح سیدی علی رئیس کو جس اور چیز نے متاثر کیا تھا ان میں ہرنوں اور جنگلی بھینسوں کو شکار کرنے کا دلچسپ طریقہ کار تھا۔ مراۃ الممالک کے متن سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہرنوں کو شکار کرنے کے طریقہ کار نے سیدی علی رئیس کو خاصا متاثر کیا تھا۔ اس میں ہندوستانی لوگ چند ہرنوں کو ایسے انداز میں تربیت کرتے ہیں کہ وہ اپنے مربیوں اور مالکوں کو اپنی جنس کے دیگر ہرنوں کو شکار کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ چنانچہ سید علی رئیس نے اس سارے طریقہ کار کو مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے " یہاں (ہندوستان) کی عجیب عاداتوں میں سے ایک یہ ہے کہ یہاں پر سدھائے ہوئے ہرن ہوتے ہیں۔ ان کی گردنوں میں کمند (ایک قسم کا پھندا جس سے جنگلی جانور پھنسائے جاتے ہیں) ہوتی ہے۔ ان کے مالک ان تربیت یافتہ ہرنوں کو وحشی ہرنوں کے قریب بھیج دیتے ہیں۔ وحشی ہرن اپنی جنس کے ہرنوں کو دیکھ کر "جنس اپنی ہی جنس کی طرف رغبت رکھتی ہے" مفہوم کے مطابق انکے قریب آکر انکے سروں میں اپنا سر ڈال دیتے ہیں۔ اس وقت ذکر کردہ تربیت یافتہ ہرن اپنی گردنوں میں ڈلے ہوئے کمند اور رسیاں ان کی گردنوں میں پھنسا کر خود کو گرادیتے ہیں۔ جوں جوں ہرن حرکت کرتا ہے کمند اس کی گردن میں پھنس جاتی ہے اور وہ بھاگ نہیں پایا۔ اس وقت آکر انہیں پکڑ لیتے ہیں۔ سارے ہندوستان میں ہرنوں کو ایسے ہی طریقے سے شکار کیا جاتا ہے۔"[16]

جوہر اور ستی کا حال:

زمانہ وسطی کا ایک ایسا عمل جس کو سننے والے یقین نہ کرتے ہوں کہ جب تک کہ وہ اس کو اپنے سر کی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں وہ جوہر اور ستی کا غیر انسانی اور ظالم عمل تھا۔ جس میں شوہر کے مرنے پر بیوہ کو زندہ جلادیا جاتا تھا۔ کبھی کبھی جنگوں میں جب راجپوتوں کو شکست یقینی نظر آتی تھی ایسے وقت میں وہ پہلے اپنے بیوی بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں سے قتل کر کے خود ننگے ہو کر میدان کارزار کو گرم کرتے تھے۔ یوں ان کا خیال تھا کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی عورتیں دشمنوں کے ہاتھ نہیں آءیں گی۔ اکبری عہد کا مشہور

مورخ ابوالفضل علامی ستی کے بارے میں لکھتا ہے کہ "ہندوؤں کے شاستر میں حکم ہے متوفی کی جس قدر عورتیں ہوں وہ کشادہ پیشانی اپنے خاوند کے ساتھ جل جائیں۔ لیکن ان کو نصیحت کرنی چاہیے کہ ایسا نہ کریں مگر بیواؤں کو اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ وہ اسے جلنا پسند کرتی ہیں۔[17] کسی بھی غیر ہندوستانی کے لیے اس ظالمانہ عمل کو دیکھ کر و طیرہ حیرت میں گم ہونا یقینی بات تھی۔اسی لیے زمانہ وسطیٰ کا ہر غیر ہندوستانی سیاح اس عمل کو انتہائی دکھ اور غمگیں انداز میں ذکر کرتا ہے۔اس کی ایک مثال سن تیرہ سو چونتس میں ہندوستان آنے اور سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد میں لگ بھگ آٹھ برس تک دہلی کے قاضی کے عہدہ پر رہنے والے مشہور مراکشی سیاح ابن بطوطہ ہے۔ابن بطوطہ نے جب ان تین جوان عورتوں کو اکٹھے ستی ہوتے دیکھا اور جب آگ نے ان کے ننگے کو بدن کو جالانا شروع کیا تو ان کی چیخیں سن کر ابن بطوطہ بے ہوش ہو گیا تھا اور اگر اس کے ساتھی اسے نہ سنبھالتے تو وہ گھوڑے سے ہی گر جاتا۔[18]

ستی کے عمل نے ہمارے سیاح سیدی علی رئیس کو بھی متاثر کیا ہے اور انہوں نے بھی اس غیر انسانی فعل کو ہندوستان کے عجائبات میں شمار کیا ہے۔اگرچہ سیدی علی رئیس نے ابن بطوطہ کی مانند بذات خود کسی کو ستی ہوتے دیکھا تھا یا نہیں اس بارے میں کوئی وضاحت مراۃ الممالک میں نہیں ملتی البتہ صوبہ سندھ جو کہ اس وقت ہندووں کی بڑی تعداد کا مسکن تھا کے بارے میں ان کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا کہ انہوں نے خود بھی کوئی ایسا واقعہ دیکھا ہوگا۔ چنانچہ سیدی علی رئیس لکھتے ہیں "مرد مر جائے اور پیچھے رہ جائے تو اگر وہ بوڑھی ہو تو اس کو نہیں جلاتے۔اور اگر شوہر کرنے کے قابل ہو تو وہ چاہے یا نہ چاہے اس کو جلا دیتے ہیں۔ عورت اگر اپنی خواہش سے جلنا قبول کرلے تو اس کی قوم سازوں کے ساتھ خوشیاں مناتے ہیں۔[19] بوڑھی بیوہ کی بجائے نوجوان بیوہ کو ستی کرنے کے پیچھے ہو سکتا ہے کہ بیوی کی جانب سے شوہر کو قتل کرنے کا خدشہ ہو۔ کیونکہ قدیم ہندوستان میں بوڑھے مرد بھی نوجوان لڑکیوں سے شادیاں کر لیتے تھے اور کچھ ایسے واقعات ہوئے ہوں گے جس کی بنا پر یہ قانون بنا دیا گیا ہو۔

اس سے بھی عجیب اور دلچسپ رواج کا تجربہ سیدی علی رئیس کو ولایت گجرات کی راجدھانی احمد آباد میں ہوا۔ جس میں ہندوؤں کے بھاٹ ذات کے تاجر پیشہ لوگ مسافروں اور راہگیروں کو معمولی اجرت کے عوض رہبری اور حفاظت کی ذمہ داری نبھاتے ہیں۔اگر راستے میں کوئی ایسے قافلے پر حملہ کرے جس

کی رہبری اور حفاظت بھات ذات کے لوگ کر رہے ہوں تو پہلے تو وہ حملہ آوروں کو دھمکاتے ہیں کہ اگر انہوں نے اس قافلہ کو لوٹا تو وہ خودکشی کر لیں گے۔ اگر حملہ آور جو کہ عمومی طور پر راجپوت ذات کے ہوتے ہیں پھر بھی لوٹ مار سے باز نہ آئیں تو بھاٹ ذات کے لوگوں سچ میں خودکشی کر لیتے ہیں۔ سیدی علی رئیس نے بھاٹوں اور راجپوتوں کے اس عمل کو مراۃ الممالک میں کچھ یوں بیان کیا ہے "جب راستے میں کافر راجپوت یعنی گھڑ سوار ہندو آکر کارواں کو تباہ اور لوٹ مار کرنا چاہیں تو بھاٹ لوگ اپنے خنجر نکال کر اپنے سینوں پر رکھ لیتے ہیں کہ " ہم ان کے کفیل ہیں۔ اگر تم لوگوں نے کارواں کو نقصان پہنچایا تو ہم لوگ خودکشی کر لیں گے۔ "راجپوت انکی عزت کی وجہ سے کسی کو نہیں چھوتے۔ یوں کارواں وہاں سے بغیر لڑائی کیے سلامتی کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ اگر تھوڑا سا بھی نقصان پہنچائیں تو یہ بھاٹ لوگ سچ میں خودکشی کر لیتے ہیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو اس گروہ پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔[20] سیدی علی رئیس ان کے متعلق مزید تفصیل دیتا ہے کہ اگر راجپوت انکی پراوہ نہ کریں اور قافلہ لوٹ لیں تو صوبہ کے سرادار راجپوت، اس جگہ میں موجود سبھی راجپوتوں کو انکی بیویوں اور بچوں سمیت سبھی کو قتل کر دیتے ہیں۔ احمد آباد سے پٹن جاتے ہوئے دو بھاٹوں نے سیدی علی رئیس کے قافلے کی رہنمائی اور حفاظت کا ذمہ لیا تھا اور ان لوگوں کو بخیر و عافیت معمولی اجرت کے بدلے میں پٹن شہر میں پہنچا دیا تھا۔

سیدی علی رئیس بابری محل میں:

جس طرح سیدی علی رئیس کی ہندوستان میں آمد ان کی خواہش اور مرضی کے بغیر ہوئی تھی بالکل ایسے ہی بابری سلطنت کے مرکز دھلی شہر میں بھی ان کی آمد ان کی خواہش کے بغیر ہوئی تھی۔ اس سے پہلے سندھ میں قیام کے دوران میرزا عیسی اور سلطان محمود نامی سرداروں کے درمیان صلح کروانے اور انہیں ہمایوں بن بابر بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھوانے پر راضی کرنے کی وجہ سے ان کی اچھی شہرت دھلی شہر میں پہلے سے ہی پہنچ چکی ہوگی۔ لیکن اس سب کے باوجود لاہور کے گورنر میرزا شاہ کے بہت زیادہ اصرار کی وجہ سے سن 1555ء کے ماہ اگست کے آخری دنوں میں لاہور سے عازم سفر ہوئے اور لگ بھگ ایک ماہ بعد پندرہ اکتوبر کے دن سیدی علی رئیس دھلی شہر پہنچے۔ لمبے سفر اور مال واسباب کے لٹنے کی وجہ سے سیدی علی رئیس کے پاس بادشاہ کو ہدیہ پیش کرنے کے لیے زیادہ کچھ بچا نہیں تھا۔ اپنی اس حالت کو "الھدایا قدر من یھدی" یعنی تحفہ، تحفہ دینے والے کی طاقت کے مطابق ہوتا ہے" کہہ کر بڑے ہی خوبصورت اور

عاجزمندانہ انداز سے پیش کرتے ہیں۔ انکی اچھی شہرت پہلے ہی پہنچنے کی وجہ سے ہمایوں بادشاہ اور خانِ خانا بیرام خان نے ان کے لیے انتہائی پر تکلف دعوت وعشائیہ دیا۔ چنانچہ سیدی علی رئیس نے اس کو یوں بیان کیا ہے "ماہ ذی القعدہ کے آخری دنوں میں (15 اکتوبر 1555ء) ہندوستان کے دارالحکومت یعنی دھلی شہر میں پہنچے تو ہمایوں بادشاہ کو اس کی خبر دی گئی۔ خان خاناں ودیگر سرادار اور شاہی افراد میں سے چار سو ہاتھی اور ہزاروں آدمیوں کے ساتھ باسعادت (عثمانی) بادشاہ کی عزت واحترام کے پیش نظر استقبال کے لیے روانہ کیا۔ اس بندہ عاجز کو بھی ایک گھوڑا، دو خلعتیں اور رااستہ کا خرچ بھیجا گیا۔ اس دن وہاں خان خاناں نے پروقار تقریب منعقد کی۔ چونکہ ہندوستان میں شاہی تقریبات عمومی طور پر شام کے وقت منعقد ہوتیں ہیں اس لیے شام کے وقت ہمیں بہت عزت واحترام کے ساتھ بادشاہ کے دیوانِ ہمایوں میں لے جایا گیا۔"[21] ہمارے سیاح کے تحریر کردہ مراۃ الممالک کے اس حصہ کو بعد والے حصہ سے ملا کر پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سیدی علی رئیس نے ہمایوں بادشاہ سے ملاقات سے قبل لاہور سے دھلی آتے ہوئے راستہ میں اچھی خاصی تیار کر لی تھی۔ کیونکہ اس قدر غریب الوطنی اور لمبے سفر کے باوجود بادشاہ کو نذرانہ پیش کرنے کے لیے۔اگرچہ وہ معمولی قسم کا ہی تھا۔کسی طرح سے بندوبست کر لیا تھا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اہم نقطہ وہ بابری سلطنت کا ہندوستان میں پھر سے قبضہ کرنا تھا۔ کیونکہ بابر کی وفات کے بعد شیر خان نے ہمایوں کی کمزوری اور بھائیوں کی آپسی تخت نشینی کے اختلافات سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان پر قبضہ کر لیا تھا اور ہمایوں کو بھی ایرانی شہنشاہ طہماسپ کے پاس جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ہمایوں نے کسی طریقہ سے شاہ کو اپنی مدد کے لیے تیار کیا اور ہندوستان میں پھر سے فتح کر لیا۔[22] سیدی علی رئیس نے ہمایوں کے دربار میں آنے سے قبل ہی فتح کی تاریخ نکال لی تھی اور بادشاہ کے ساتھ ملاقات کے دوران فتح کی تاریخ کو ترکی اشعار کی صورت میں یوں پیش کیا:

Şah-ı cem rütbesinde hümayun bahtında
Yedi iklim Hint ki ateş gibi
Çün Kırdı Afganları Delhi'yi aldı
Oldu fermanberi bâri serkeş

Ol fethe ettiler tarih:

Tali-i devlet-i hümayuneş

اردو ترجمہ:

اے مبارک بخت والے! تمہارا مرتبہ ایران کے حکمداروں کا مرتبہ ہے

ساتواں براعظم ہند مثل آتش تھا

کیونکہ افغانوں کو تباہ کر کے دھلی پر حاکم ہو گئے

تو سر کش، فرمانبردار بن گئے

اس فتح کی یہ تاریخ نکالی گئی ہے:

طالع دولت ہمایوں شاہ (ہمایوں بادشاہ کا زمانہ شروع ہو گیا) یعنی ھجری 962 بمطابق 1555ء

مراۃ الممالک میں سیدی علی رئیس نے جہاں بر محل قرآن و حدیث کے حوالہ جات اور عربی کہاوتوں کو استعمال کیا ہے وہیں پر حافظ، سعدی، امیر خسرو جیسے اساتذہ کے فارسی اشعار کا بہترین استعمال ان کے اس فن میں کس قدر یدِ طولی رکھتے تھے کو آشکار کرتا ہے۔ اس سے بھی کہیں دلچسپ نقطہ یہ ہے کہ سیدی علی رئیس نے بہت سے بادشاہوں کے سامنے فی البدیہ اپنی مادری زبان ترکی میں بہترین اشعار کہہ کر داد تحسین اور انعامات حاصل کی تھیں۔ مذکورہ بالا شعر میں بابری بادشاہ مایوں" کے نام کے لفظی معنی سے مناسبت برقرار رکھتے ہوئے اسے پہلے مصرعہ میں "اے ہمایوں بخت" جبکہ آخری مصرعہ میں طالع دولتِ ہمایوش" کہہ کر ہمایوں بادشاہ کی تعریف کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخی قطعہ نکالنا ان کے شعر و شاعری میں کس قدر ماہر ہونے کی دلیل ہے۔

لیکن سیدی علی رئیس کے اصل ماہرِادبیات اور استاذِ فن شاعری کا پتہ ان کے ہمایوں بادشاہ کے سامنے اپنا شعری تخلص کاتبی کہتے ہوئے زبانی دو بہترین ترکی غزلیں پڑھنے پر ہوتا ہے۔ ان دو غزلوں کو ہمایوں بادشاہ نے اس قدر پسند کیا کہ اسے ملازمت کی پیش کش کرتے ہوئے سو سواروں کے دستے کا سربراہ اور ایک جاگیر دینے کی پیش کش کی۔ ساتھ ہی اس قافلہ میں شامل ہر شخص کو سو آقچہ وظیفہ دینے کا بھی کہا۔ سیدی علی رئیس نے شکریہ کے ساتھ اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کیا تو ہمایوں نے کم از کم ایک سال بابری محل میں رہنے کے لیے بہت زیادہ اصرار کیا۔ سیدی علی رئیس نے ہمایوں بادشاہ کے اس اصرار اور تکلیف کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ "میں نے باسعادت بادشاہ کے فرمان شریف کے مطابق سمندر میں کفارِ

خاکسار کے ساتھ جنگ لڑی۔ طوفان کی وجہ سے بحرِ ہند میں آ گرے۔ میر ادار السلطنت (استنبول) جانا ضروری ہے کہ کفارِ خاکسار کے حالات حضرت بادشاہ کے علم میں لائے جاسکیں۔امید ہے کہ اس طریقہ سے ولایت گجرات کفار کے ہاتھوں سے آزاد ہو جائے گی۔"[23]

بابری محل میں اپنے قیام کے دوران سیدی علی رئیس نے نے کئی مواقع پر پر بادشاہ ہمایوں کے ساتھ مختلف مزارات، محلہ جات اور مجالس میں ملنے کا اتفاق ہوا۔ان میں سے چند واقعات اور مکالمہ جات جو ہمارے سیاح اور ہمایوں بادشاہ کے درمیان ہوئے تھے مراۃ الممالک میں درج کیے گئے ہیں۔ان مجالس میں سیدی علی رئیس نے بہت ہی مہارت کے ساتھ اپنے فنِ شاعری کا استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ انتہائی ہوشیاری کے ساتھ عثمانی سلطنت کے سفیر ہونے کی بھی ذمہ داری نبھائی ہے۔ ہمایوں بادشاہ اور ہندوستان کے دیگر کئی علماء و مشائخ کے ساتھ دھلی میں شیخ قطب الدین، شیخ نظام ولی اور میر خسرو کے مزارات کی زیارت کی غرض سے نکلے۔ جس میں مختلف شعراء نے استاذہ فنِ شاعری کے اشعار میں سے چند اشعار پیش کیے۔امیر خسرو کے مزار کی زیارت کے دوران سیدی علی رئیس کے قلب پر فی البدیع مطلع کا نزول ہوا۔ ہمارے سیاح نے ہمایوں بادشاہ سے یہ کہہ کر مطلع پڑھنے کی اجازت طلب کہ "اگرچہ یہ گستاخی ہوگئی مگر یہ میر خسرو کی رباعیات کی طاقت کیوجہ سے میرے اوپر ایک مطلع کا نزول ہوا ہے۔ بادشاہ نے پڑھنے کا اشارہ کیا۔

ہر کہ قانع شد بہ یک نان پارہ مرد متھر ست

کار اواز جملہ شاھان عالم بہتر است

یعنی روٹی کے ایک ٹکڑے پر قناعت کرنے والا شخص عظیم انسان ہے۔ اس کا کام سارے جہاں کے بادشاہوں سے بہتر ہے۔"[24] ہمایوں بادشاہ نے نہ صرف یہ مطلع پسند کیا بلکہ "واللہ العظیم این بہتر است" یعنی خدا کی قسم یہ زیادہ بہتر ہے کہہ کر سیدی علی رئیس کے فنِ شاعری کی داد بھی دی۔

ہمایوں بادشاہ کی آسٹرنومی، ستاروں کے علم کے متعلق دلچسپی گلبدن بیگم، مولانا بدایونی اور ابوالفضل جیسے ابتدائی بابری ماخذات میں اچھے خاصے انداز میں بیان کی گئی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمایوں بادشاہ یہ کہ نہ صرف ان علوم میں دلچسپی رکھتا تھا بلکہ خود بھی ان علوم کا اچھا خاصہ ماہر تھا۔سیدی علی

رئیس نے سورج گرہن اور چاند گرہن کے متعلق گفتگو کی گئی مجلس میں سیدی علی رئیس نے ایک بار پھر دیارِ روم واپس جانے کی اجازت طلب کی تو ہمایوں نے یہ کہہ کر اب ہندوستان میں بارشوں کا موسم شروع ہو چکا ہے۔ سڑکیں، ندی نالوں سے گزرنا ممکن نہیں ہے۔ ساتھ ہی سورج گرہن، چاند گرہن، جنتری، ساری تقاویم اور آلہ اسطرلاب (ایک ایسا آلہ جس سے ستاروں کی بلندی، مقام اور رفتار پتہ لگائی جاتی تھی۔) کیسے استعمال کیا جاتا ہے دیکھائو۔ ساتھ ہی تم "دائرہ معدل" (آسمانی خط استوا) رسالہ کو پڑھو۔ اگر تم تین ماہ سے پہلے یہ کرلو تو آپ جا سکتے ہیں۔ سیدی علی رئیس کا کہنا ہے کہ اس کے بعد میں نے دن اور رات ایک کر کے محنت کے ذریعے اس رسالہ کو شروع سے آخر تک پڑھا اور آلہ اسطرلاب کی مدد سے چاند گرہن اور سورج گرہن کا معاملہ کر کے دیکھا۔ جب سیدی علی رئیس دھلی میں یہ سب کچھ کر رہے تھے انہی دنوں خبر ملی کے آگرہ مکمل طور پر بابری فوج نے فتح کر لیا ہے۔ سیدی علی رئیس نے فوراً ہی فتح کی تاریخ یوں نکالی

Felek-rif'at-ı hümayun-ı Şah-ı Gazi
Salur Pertev livası mehr u mâha
Yetişti Hindine ki kıldı Dehli'ni feth
Nüzûl etti hısâr-ı din-penâha
Yapardı nice hanını ögre sarı
Verip kub istişmâletler sipâha
Devam-ı devletinde fethi anın
Müyesser boldu minnet ol ilaha
İtti ona bir eksikli tarih
Mübarek bolsun öğre padişaha

اردو ترجمہ:

بلند قسمت ہے ہمایوں شاہ غازی
اسکے روشن جھنڈے سورج و چاند تک پہنچ رہے ہیں
ہندوستان پہنچ کر دھلی کو فتح کر لیا
بادشاہ دین کے مرکز میں اتر آئے

کئی باغیوں نے بادشاہ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے
لشکریوں کے دلوں میں جگہ اپنالی
اسکی ہمیشہ رہنے والی سلطنت میں فتح
نصیب ہونے پر خدا کا شکر ہے
اس فتح کی ایک تاریخ نکالی ہے میں نے
مبارک بو سون آگرہ پادشاہ[25] (بادشاہ کو آگرہ کی فتح مبارک ہو۔ ھجری 1555/962)

بادشاہ ہمایوں ہمارے سیاح کی تاریخ نکالنے کی مہارت اور فن شاعری میں فارسی، عربی اور مشرقی ترکی زبان پر مہارت اور شعر کہنے کی صلاحیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہیں بیک وقت فارسی و چغتائی ترکی زبان میں شعر کہنے والے تیموری عہد کے مشہور شاعر و سیاستدان میر علی شیر نوائی کے ساتھ نسبت کرتے ہوئے سیدی علی رئیس کو "میر علی شیر ثانی" کا خطاب تک دے دیا۔ ہمایوں جو کہ خود بھی ادبیات سے اچھا خاصا تعلق رکھتا تھا سے ایسا لقب حاصل کرنا یقینی طور پر سیدی علی رئیس کے اس فن میں بھی مہارت کاملہ کا مکمل ثبوت ہے۔

سیدی علی رئیس بطور ماہر سفارت کار:

ہمارے اب تک کے بیان سے سیدی علی رئیس بطور ایک ماہر جغرافیہ دان، عالم، سمندر کپتان اور ماہر فارسی و ترکی ادب کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ لیکن سیدی علی رئیس کی ایک بہت بڑی صفت اور صلاحیت ان میں موجود بہترین سفارت کاری کرنا تھی۔ مراۃ الممالک کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سیدی علی رئیس نے ہندوستان میں خود کو جہاں بھی عثمانی کپتان ہند کے طور پر متعارف کروایا تھا تو مقامی حکمرانوں کے دروازے اس کے لیے کھلتے چلے گئے۔ ان کے بیان سے ایسا شبہ ہوتا ہے کہ بلوچستان سے لیکر گجرات، اور سندھ سے لیکر دھلی تک ہر جگہ، ہر مقامی حاکم، عثمانی سلطان کا فرمابردار اور ان کے لیے بے انتہائی عزت و تکریم اپنے دل میں رکھتا تھا۔ ہو سکتا ہے اس کی وجہ مصر و حجاز و عراق کی فتح اور ان مقدس مقامات میں عثمانیوں کے نام کا خطبہ پڑھ جانا۔ جبکہ ایک دوسری وجہ عثمانیوں کا مسلسل کفار بالخصوص بحر ہند میں پرتگیزوں سے لڑائی اور آتشی اسلحہ کا استعمال تھا۔ ہمایوں کے سامنے بھی سیدی علی رئیس نے بہترین انداز میں عثمانی سلطنت کی سفارت کاری کی اور اپنے آسٹر نومی اور جغرافیہ کے علم کو بڑی مہارت اور ہوشیاری کے

ساتھ عثمانی بادشاہ کو دنیا کے ساتوں براعظم اور دنیا کا سب سے طاقتور ترین بادشاہ ثابت کیا ہے۔ مثلاً بحث و مباحثہ کی مجلس میں بادشاہ نے ہمارے سیاح سے پوچھا کہ "ولایت روم زیادہ وسیع ہے ہندوستان؟" اس سوال کے جواب میں سیدی علی رئیس نے انتہائی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے کہ کہ "جناب والا! اگر تو روم سے آپ کی مراد مرکز روم ہے تو وہ ولایت سواس ہے تو اس وقت ہندوستان بہت وسیع ملک ہے۔ لیکن اگر آپ کا مقصد بادشاہ روم (یعنی عثمانی سلطان) کے ماتحت ممالک ہے تو ہندوستان اس کے سامنے دسویں حصے کا دسواں بھی نہیں۔"[26] اس کے بعد اسی مباحثہ میں سیدی علی رئیس بادشاہ کو بڑی تفصیل سے بتاتا ہے کہ ساتوں اقلیم میں عثمانی سلطان کا حکم چلتا حتیٰ کہ چین میں بھی اگر مسلمان تاجروں میں اختلاف ہو جائے تو عثمانی سلطان کے فرمان کے مطابق ان کے معاملات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

ہمایوں کی وفات اور اکبر کی تخت نشینی میں سیدی علی رئیس کا کردار:

وطن پرور سیدی علی رئیس نے بارہا مرتبہ ہمایوں بادشاہ سے بلادِ روم واپس آنے کے لیے رخصت طلب کی لیکن ہر مرتبہ بادشاہ نے کسی طریقہ سے انکار کر دیا۔ بالا خر سیدی علی رئیس نے شاہین بیگ نامی شاہی محل میں مہر دار کے عہدہ پر براجمان ایک نوجوان کے ذریعے دو غزلیں لکھ کر ہمایوں بادشاہ کے لیے روانہ کیں اور ساتھ ہی جانے کی اجازت طلب کی۔ بالآخر بادشاہ ہمایوں نے سیدی علی کا اصرار دیکھتے ہوئے اسے جانے کی اجازت دیتے ہوئے ایک گھوڑا، ایک خلعت بطور تحفہ دیا۔ عین جس وقت ہمارے سیاح اپنے دوستوں کے ہمراہ ہندوستان سے روانگی کے راستہ پر چلنا ہی چاہتے تھے کہ ہمایوں بادشاہ اذان مغرب کے وقت سیڑھیوں سے گر کر زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے تیسرے دن بروز پیر فوت ہو گئے۔ ولی عہد شہزادہ جلال الدین اور خان خاناں بھی اس وقت لاہور میں کسی بغاوت کو دبانے میں مصروف تھے۔ بادشاہ کی صحت و سلامتی کو لیکر فوج اور عوام میں شدید بے چینی اور شہر کے حالات انتہائی خراب ہونے لگے تھے۔ یہاں پر سیدی علی کا کرادار شروع ہوتا ہے جو کہ نہ صرف سیدی علی بلکہ ہندوستان کے حوالہ سے عمومی طور پر عثمانی ترکوں کا رہا ہے۔ یعنی ہندوستانیوں کے اندرونی معاملات میں جس قدر ممکن ہو انہیں خود حل کرنے دیے جائیں۔ اور اگر ضروری ہو تو ان کی خلوصِ نیت کے ساتھ مدد کی جائے۔ ساتھ ہی سیدی علی رئیس کے ذہن میں یاوز سلطان سلیم خان کی وفات اور اس وقت کے وزیر اعظم پیری محمد پاشا کی تدابیر بھی تھیں جن کو انہوں نے لڑکپن کی عمر میں بذاتِ خود دیکھا ہو گا۔ چنانچہ سیدی علی رئیس نے خلوصِ نیت کے ساتھ پریشان

حال وزراءاور محل کے ذمہ داران کو تسلی دیتے ہوئے جب تک ولی عہد دھلی شہر نہ پہنچ جائیں وہ اس خبر کو خفیہ رکھیں اور روزمرہ کا دیوان اور امراء کی دربار میں آمدورفت ہوتی رہے۔ سیدی علی کے درج کردہ الفاظ یہ ہیں "اس بندہ عاجز نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ مرحوم و مغفور حضرت سلطان سلیم خان-اللہ کی رحمت و مغفرت ان پر ہو- آخرت کی جانب کوچ کیا تو باسعادب بادشاہ کے تخت نشین ہونے تک مرحوم پیری محمد پاشا نے مختلف تدابیر اختیار کیں تھیں اور عوام کو اس کی خبر نہ ہونے دی تھی۔آپ لوگ بھی ایسی تدابیر اختیار کریں کہ ان کے بیٹے تک خبر پہنچنے تک کسی دوسرے کو اسکی خبر نہ ہو۔ یہ سن کر انہوں نے بہترین تدابیر اختیار کیں۔ جیسے پہلے ہوتا تھا ویسے ہی دیوان منعقد کیا گیا اور بادشاہ کی اطاعت کرنے کیوجہ سے امراء کو رواج کے مطابق مناسب تحائف تقسیم کیے گئے۔ بادشاہ چار باغ کو جا رہے ہیں اس واسطے گھوڑا تیار کیا گیا۔ پھر ہوا ٹھیک نہیں ہے کہہ کر منصوبہ منسوخ کر دیا گیا۔ اگلے دن عوام میں یہ اعلان کیا گیا کہ شاہی زیارت ہو گی۔ پھر نجومیوں کے مطابق یہ گھڑی اچھی نہیں ہے کہہ کر ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا۔ اس سے لشکر بہت مضطرب ہوا۔ آخر کار بادشاہ کے مصاحبوں میں سے مولانا بے کسی نامی شخص کہ جس کا چہرہ بادشاہ سے مشابہت رکھتا تھا لیکن اس کا قد چھوٹا تھا۔ تین دن تک سمندر کی جانب دیکھنے والے ایک ایوان میں تخت پر بیٹھا دیا گیا۔ بادشاہ کا لباس پہنا کر اس کے چہرے اور آنکھوں کو ڈھانب دیا جاتا۔ خوش حال بیگ اس کے سرہانے جبکہ میر منشی اس کے سامنے کھڑے ہو کر تمام سلطانوں، مرزائوں، رعایا اور عوام الناس آکر سمندر کنارے بادشاہ کو دیکھتے اور دعائیں دیتے۔"[27] اکبر کے دارالحکومت دھلی آنے سے حالات قدرے معمول پر آگئے اور عوام کو ہمایوں بادشاہ کے فوت ہونے کی خبر دی گئی۔ لیکن ہمارے سیاح اس سب سے بہت پہلے جنوری 1556 میں دھلی سے لاہور کی جانب عازم سفر ہو چکے تھے۔ البتہ تیرہ فروری 1556 کو لاہور سے گزرتے ہوئے قلعہ منکوت میں نئے بنے بادشاہ نوعمر مرزا جلال الدین اکبر سے مختصر سی ملاقات بھی کی۔ سیدی علی رئیس نے اپنے فن شاعری کا مظاہر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل غزل کے ذریعے ان کے فوت ہونے کی تاریخ نکالی

ہندوستان کے لیے ہمایوں بادشاہ ایک ہما پرندہ تھے
جو ہوا اچانک اور اور لمحہ بھر میں فوت ہو گئے
اس غم ناک خبر کو سنتے ہی روتے ہوئے

تاریخ کہو "فوت اولدی ھمایوں پادشاہ" (یعنی ہمایوں بادشاہ فوت ہو گئے۔1556/963)[28]

اس کے بعد سیدی علی رئیس لاہور سے کابل اور وہاں سے وسطی ایشا سے ہوتے ہوئے واپس عثمانی ممالک میں پہنچ گئے۔ وسطی ایشاء کے ممالک میں بھی جو کچھ سیدی علی رئیس کے ساتھ پیش آیا اور جن مشکلات کا انہیں سامنا کرنا پڑا جب انہوں نے آمید کے گورنر اسکندر پاشا کو سنائے تو پاشا نے حیرت زدہ ہو کر ہمارے سیاح کو کہا کہ "جو مصائب آپ لوگوں کو پیش آئے ہیں وہ تو تیمیم داری کو بھی پیش نہ آئے ہوں گے۔ جو عجیب وغریب چیزیں آپ نے دیکھی ہیں بلقیا اور جہاں شاہ نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوں گی۔[29] چونکہ ہمارا موضوع سید علی رئیس کے ہندوستان میں گزرے واقعات اور حالات ہے اس لیے ہم ہندوستان کی بجائے دوسرے ممالک میں پیش آئے واقعات کا ذکر نہیں رکرتے البتہ یہ ضرور کہیں گے کہ جیسے موت، پریشانی، دشمنوں سے آمنا سامنا اور مختلف بادشاہوں سے ملاقات اور اہم واقعات کے لیے تاریخی قطعات جیسے بے شمار امور انہیں پیش آئے۔ سیدی علی رئیس کے سفر نامے کا مکمل ترکی اور انگریزی وغیرہ زبانوں میں تراجم تو پہلے سے ہی موجود تھے حال ہی میں ہمارے ایک شاگرد اور دوست حافظ عامر علی نے مراۃ الممالک کا آسان فہم اور سلیس ترجمہ کر دیا ہے۔ جو کہ چھپنے کے مراحل میں اور بہت جلد اردو پڑھنے اور سمجھنے والے قارئین کے ہاتھوں میں ہوگا انشاءاللہ۔

سیدی علی رئیس کے سیاحت نامہ بنام "مراۃ الممالک" میں ہندوستان کے متعلقہ حصہ کو پڑھنے سے چند بنیادی نکتہ جات جو ہمارے سامنے آتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1- سولہویں صدی کے وسطی سالوں میں بحر ہند میں پرتگیزوں اور ہندوستانیوں کی لڑائیاں اپنے عروج پر تھیں۔

2- ہندوستان کے مغربی ساحلی شہروں پر پرتگیزی قابض تھے اور مقامی حکمران بھی چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے ان سے اتفاق کرنے پر مجبور تھے۔

3- ہندوستان بھر کے مسلمان، عثمانی بادشاہ کی اطاعت وعزت وتکریم کرتے تھے اور ان کی یقین کی حد تک خواہش تھی کہ عثمانی بحری بیڑہ آکر انہیں پرتگیزوں سے انہیں نجات دلائے گا اور یہ علاقے بھی عثمانی سلطنت کے ماتحت چلیں جائیں گے۔

4- سولھویں صدی کے وسط میں مغربی ساحلی شہروں اور وسطی ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور دورا تھا اور مختلف حکمران آپسی جنگوں میں مصروف تھے۔ البتہ ساحلی شہر ہوں یا وسطی ہندوستان ہر جگہ پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ سیدی علی رئیس نے اپنے سیاحت نامہ میں کسی بھی کافر راجہ کا ذکر نہیں کیا جو کہ بتاتا ہے کہ اس وقت ہندوستان میں کوئی بھی راجہ سیاسی طور پر مسلمان حکمرانوں جتنا طاقتور نہ تھا۔

5- سیدی علی رئیس نے ہندوستانی اشیاء اور طرز زندگی کو دیکھتے ہوئے اسے "عجائب و غریب ہندوستان" قرار دیا ہے۔

6- سیدی علی رئیس نے ممکنہ حد تک ہندوستانیوں کے آپسی معاملات میں یا تو غیر جانب دار یا پھر فریقین کے درمیان صلح کروانے کی کوشش کی۔

اس کے ساتھ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں سیدی علی رئیس پہلے عثمانی سیاح اور امیر البحر تھے جنہوں نے بحر ہند اور وسطی ہندوستان کے متعلق اس قدر تفصیل سے معلومات دیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ بابری سلطنت سے سفارتی تعلق قائم کرنے والے پہلے عثمانی عہدیدار تھے۔ سیدی علی رئیس کی انہیں معلومات کو قانونی سلطان سلیمان، سلیم ثانی اور مراد ثالث کے عہد میں وزیر اعظم رہے صوقوللی محمد پاشا 1565-1579 نے بحر ہند میں پرتگیزوں اور دوسری مسیح قوتوں کے خلاف اسلامی بلاک بنانے کے لیے استعمال کیا۔[30] لیکن یہ حیران کن بات ہے کہ بابری ماخذات میں سیدی علی رئیس کا نام تو درکنار شاہ جہاں کے عہد تک سرکاری سطح پر کسی بھی سفیر کے آنے کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ تو طرفین میں کسی بھی طرح کے تعلق کا انکار کرتا ہے۔ جہانگیر کے سامنے عثمانی سلطان کا قاصد ظاہر کرنے والے شخص کا نام اقم حاجی تھا۔ تیمور اور یلدرم بایزید کی جنگ کے "زمانہ سے آج تک باوجود یہ لطف و کرم کے کوئی بھی عثمانی بادشاہ کی طرف سے نہیں آیا تھا اور نہ ہی کسی کا ایلچی وہاں بھیجا گیا تھا۔"[31] جہانگیر کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابری محل اور مورخین سیدی علی رئیس کی آمد اور ہمایوں وغیرہ سے ملاقات کے حوالہ سے بالکل بھی بے خبر تھے۔

آخر میں اپنی بات ختم کرتے ہوئے سیدی علی رئیس کی مراۃ الممالک میں کہی ہوئی غزلوں میں سے ایک غزل بطور تمثیل ذکر کرنا مناسب معلوم ہو رہا ہے۔

باغ میں محبوب کے چہرے کو دیکھنے والے پھول شرمندگی سے سرخ ہو گئے ہیں
میرا نالہ سن کر پھولوں کے باغ کے تمام بلبل چہچہانے لگے ہیں
چہرہ پھول، قد صنوبر، آنکھ گلِ نرگس اور لب کلی کے پھول کی ماند ہیں
اس پھول چہرے والے محبوب کے سر پر لونگ برسیں تو کیا ہو
گلستانِ دنیا میں اس شمشیر کی مثل قد والا کوئی نہیں ہے
اسکی خوبصورتی کے باغ میں اس کی زلف تازہ گل سنبل ہوتی ہے
جس اسکے چہرہ کو دیکھا تو اسکی سیاہ زلف نے میری عقل و ہوش لے لی
میرے دل پر محبت کا قبضہ ہو گیا، اسکو پھول بھلا کیا کر سکتے ہیں
یہ وقت ہے اپنی آنکھیں کھولو، متوجہ ہو جائو، شرابِ عشق آہستہ آہستہ پیو
اے کاتبی! اضطراب سے نالہ کرنے والے مجلس عشق میں رہنے والوں کو سونے نہیں دیتے[32]

نتیجہ:

سیدی علی رئیس کے آبائو واجداد فاتح استنبول سلطان محمد ثانی کے عہد میں دارالسلطنت استنبول کے ضلع غلاطہ میں آکر مقیم ہوئے۔ یہیں پر سیدی علی رئیس 1498ء میں پیدا ہوئے۔ خاندانی پیشہ جہاز رانی اور سپہ گری ہونے کی وجہ سے ابتدائی عمر میں ہی بحری علوم سیکھنے اور فوج میں ملازمت کی طرف متوجہ ہوئے۔ بطور کماندار زندگی میں پہلی مرتبہ عثمانی سلطنت کے مضبوط ترین بادشاہ سلطان سلیمان قانونی کی جانب سے قلعہ رودس پر حملہ میں شامل ہوئے (1522ء)۔ بعد ازاں خیر الدین بار باروس، سنان پاشا اور طور غود رئیس جیسے مشہور عثمانی سمندری سرداروں کے ساتھ بحیرہ روم کی مختلف جنگوں میں شریک ہوتے رہے۔ پرتگیزوں سے جنگ ہارنے والے مراد رئیس کی جگہ سلطان قانونی سلیمان خان نے سیدی علی رئیس کو بطور کپتانِ ہند مقرر کیا اور بصرہ سے شاہی بیڑا مصر کی بندرگاہ سوئیز لانے کا حکم دیا۔ 2 جولائی 1554ء شاہی بیڑے کو لے کر بصرہ سے سوئیز کی جانب بڑھنے والے سیدی علی رئیس کے لشکر کا خلیج اومان اور خلیج فارس کے درمیان واقع آبنائے ہرمز میں 9 اگست کو پرتگیزوں سے آمنا سامنا ہوا۔ 25 اگست کو ایک مرتبہ پھر سے

پرتگیزوں نے مسقط کے قریب حملہ کیا جس میں پانچ عثمانی جنگی کشتیاں تباہ ہوگئیں۔ عمان کے قریب ہی جب یہ قافلہ تھا تو طوفان نوح کے نام سے مشہور سمندری طوفان آیا جس میں بیڑہ بے قابو ہو کر ہندوستان کے ساحل پر پہنچ گیا۔ پرتگیزی حملوں اور تباہ کن طوفان کی وجہ سے ان کشتیوں کو سوئیز بندرگاہ لے جانا ناممکن معلوم ہونے پر سیدی علی رئیس نے ان کشتیوں کو وہیں پر بیچ دیا اور خود خشکی کے راستے استنبول جانے کا فیصلہ کیا۔

ہندوستانی کے مغربی ساحلوں سے وسطی اور جنوب مشرقی ہندوستان کے شہروں سے گزرتے ہوئے وسطی ایشاء اور ایران سے ہزرواں مصائب اور مشکلات سے گزرنے کے بعد بالاخر 1556ء میں واپس استنبول پہنچ گئے۔ ہندوستان میں اپنی سیاحت کے دوران جہاں ایک طرف پرتگیزی دشمن ان کے پیچھے رہے تو دوسری طرف بعض مقامی حکمرانوں نے انہیں ملازمت کی بھی پے کش کی۔ اپنی سیاحت کے دوران انہیں ہندوستان کے عجیب و غریب درختوں، پرندوں اور جانوروں کے دیکھنے کے ساتھ ساتھ بھاٹ اور راجپوتوں کے عجیب و غریب رسم ورواج سے بھے پالا پڑا۔ باآلاخر ایک انتہائی لمبا اور تھکا دینے والے سفر کے بعد ہندوستان کے مرکز دہلی پہنچے جہاں پر بابری سلطان ہمایوں نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور وہیں رہنے کے لیے اصرار کیا۔ بڑی مشکل سے اجازت ملی اور روانگی کے عین لمحہ میں ہمایوں کی اچانک موت پر سیدی علی رئیس نے بدامنی کو روکنے کے لیے پریشان حال بابری وزراء کی خلوص نیت کے ساتھ مشورہ اور مدد کی۔ جس طرح سیدی علی رئیس توپ و بندوق کے ماہر تھے ایسے ہی قلم وادب کے فن میں بھی یکتا تھا۔ جغرافیہ، ستاروں کے علم اور تاریخ نکالنے کے فن میں مہارت ان کی تحریر کردہ کتب واضح ثبوت ہیں۔ سیاحت علی رئیس کا تحریر کردہ "مراۃ الممالک" سیاحت نامہ سولہویں صدی کے وسطی سالوں میں بحر ہند میں پرتگیزی اور عثمانی جنگوں، ہندوستانی ساحلی علاقوں اور بابری سلطنت کی ابتدائی تاریخ کے حوالہ سے ایک انتہائی اہم ماخذ ہے۔

حواشی:

1۔ عشمت پارماقسزاوغلی، سیدی علی رئیس، ترک آنسیلوپیدیا، انقرہ، 1980، جلد 28، ص 481-482

2۔ عثمانی افواج میں ہراول دستہ کے طور پر لڑنے والے فوجی۔ عمومی طور پر اس دستہ کے فوجی زندگی

بھر مجرد رہتے تھے۔

3۔ آق محمود، سیدی علی رئیس، اسلام آنسیلوپدیسی، 2009، جلد 37، ص 21

4۔ محمد کرہ میت، سیدی علی رئیس مراۃ الممالک: تحقیقی اور تنقیدی جائیزہ، انقرہ، آتاترک کلچر دیل و تاریخ یوکسک قورومی، 1999، ص 11

5۔ ارطوغرول اونالپ، سیدی علی رئیسین 1554 ییلندہ پوتگزلیلرہ قاشی مجادہ لہ سی، Korean Association of Middle Eastern Studies، 2009ء ص 99

6۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: محمد وآق، سیدی علی رئیس، اسلام انسائکلوپیڈیا، ناشر: ترکیہ دیانت وقف، انقرہ 2009، ج 37، ص 21-24

7. Başına Seydi Ali halleri geldi

8۔ رئیس، مراۃ الممالک، ص 28

9۔ سدات معدن، ترک ایبا تیدہ سیاحت نامہ لرو گزی یازیلری، آتاترک یونورسٹی ترکیات آراشطیمالری درگیسی، 2008، جلد 37، صحیفے 147-158

10۔ مظفر عالم - سانتوش سوبرامانیام، دریافت کے دور میں ہند - ایرانی سفر نامے 140-1800، ترکی ترجمہ، نیہان آکسوءے، ناشر، البرقہ بنک، استنبول 2021، ص 126-128

11۔ رئیس، مراۃ الممالک ص 45

12۔ ایضاً، ص 52

13۔ ایضاً، ص 54

14۔ ایضاً

15۔ ایضاً، ص 65

16۔ ایضاً، ص 82

17۔ ابوالفضل علامی، آءین اکبری، اردو ترجمہ، مولوی محمد فدا علی، سنگ میل پبلیکشنز، لاہور 2015ء، جلد 2، ص 292

18۔ مکمل واقعہ ملاحظہ ہو۔ ابن بطوطہ، سفر نامہ، اردو ترجمہ، مولوی محمد حسین، مشتاق بک کارنر 2005، ج 2، ص 66-68

19۔ رئیس، مراۃ الممالک، ص 82

20۔ ایضاً، ص 57

21۔ رئیس، مراۃ الممالک، ص۔ 67

22۔ ایران میں پیش آئے واقعات کے لیے ملاحظہ ہو۔ گلبدن بیگم: ہمایوں نامہ، اردو ترجمہ، عثمان حیدر مرزا، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دھلی 1981

23۔ رئیس، مراۃ الممالک، ص 78

24۔ ایضاً، ص 76

25۔ ایضاً، ص 69

26۔ ایضاً، ص 75-74

27۔ ایضاً، ص 79

28۔ ایضاً، ص 81

29۔ ایضاً، ص 122

30۔ ان کوششوں کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: محمد یعقوب مغل، قانونی کے عہد میں عثمانیوں کا بحر ہند میں سیاست، فاتح ناشر، استنبول 1974

31۔ جہانگیر: تزک جہانگیری، اردو ترجمہ اقبال حسین، الفیصیل ناشران وتاجران، لاہور 2017ء، ص 115

32۔ رئیس: مراۃ الممالک، ص 77

ماٰخذات

1۔ ابن بطوطہ: سفر نامہ، اردو ترجمہ، مولوی محمد حسین، مشتاق بک کارنر، 2005ء

2۔ ابوالفضل علامی: آئین اکبری، اردو ترجمہ، مولوی محمد فدا علی، سنگ میل پبلیکشنز، لاہور، 2015ء

3۔ جہانگیر: تزک جہانگیری، اردو ترجمہ اقبال حسین، الفیصیل ناشران وتاجران، لاہور 2017ء

4۔ سیدی علی رئیس: مراۃ الممالک، ترجمان یاینلری، استنبول، 1963ء

5۔ گلبدن بیگم: ہمایوں نامہ، اردو ترجمہ، عثمان حیدر مرزا، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دھلی 1981ء

6۔ محمد یعقوب مغل: قانونی کے عہد میں عثمانیوں کا بحر ہند میں سیاست، فاتح ناشر، استنبول 1974ء

7۔ محمد وآق: سیدی علی رئیس، اسلام انسائکلوپیڈیا، ناشر: ترکیہ دیانت وقف، انقرہ 2009ء

8۔ مظفر عالم- سانتوش سوبرامانیام: دریافت کے دور میں ہند-ایرانی سفر نامے 140-1800ء ترکی ترجمہ، نیھان آکسوءے، ناشر، البرقہ بنک، استنبول 2021ء

9۔ عصمت پارماقسز اوغلی، سیدی علی رئیس، ترک آنسیلوپیدیا، انقرہ، جلد 28، 1980ء

10۔ محمد کرہ میت، سیدی علی رئیس مراۃ الممالک: تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، انقرہ، آتاترک کلچر دیل و تاریخ یوکسک قورومی، 1999ء

11۔ سدات معدن، ترک ادبیاتیدہ سیاحت نامہ لرو گزی یازیلری، آتاترک یونورسٹی ترکیات آراشطیمالری درگیسی شمارہ، 2008ء

12۔ ارطوغرول اونالپ، سیدی علی رئیسین 1554 ییلندہ پوتنگز لیلرہ قاشی مجادہ لہ سی، Korean Association of Middle Eastern Studies، 2009

13۔ آق محمود، سیدی علی رئیس، اسلام آنسیلوپدیسی، جلد 37، 2009ء